ہندوستان میں زبانِ عربی کی ترقی و ترویج

علمائے ہند اور عرب و عجمی مہاجرین کا مختصر تذکرہ

(۲)

مولانا عبد المالک صاحب آروی

ملا قطب الدین الشہید السہالوی متوفی سنہ ۱۱۰۳ھ

سہالی اطراف لکھنؤ میں ایک قصبہ ہے۔ یہاں شیوخ انصاری و عثمانی کی آبادی ہے۔ ملا قطب الدین شیوخ انصاری میں سے ہیں۔ ملا صاحب نے ملا دانیال جوراسی سے تعلیم حاصل کی جو ملا عبد السلام دیوی کے شاگرد ہیں، اور قاضی گھاسی سے بھی آپ کو شرف تلمذ تھا جو شیخ محب اللہ الہ آبادی کے تلامذہ میں تھے، آخر الذکر کی کتاب تصوف میں التسویہ اور فارسی میں فصوص کی شرح ہے، ملا قطب الدین عقلیات کے مخزن اور نقلیات کے معدن تھے، اپنی عمر تدریس میں گذاری اور پورب میں علم کی ریاست آپ پر ختم ہو جاتی ہے، اکثر علمائے ہند کے تلمذ کا سلسلہ پورب ہی پر منتہی ہوتا ہے، سہالی میں عثمانیوں اور انصاریوں کے درمیان زمینداری کے سلسلہ میں جھگڑا تھا، ایک رات عثمانیوں نے نرغہ کیا اور ملا کو قتل کر کے ان کے گھر میں آگ لگا دی، آزاد فرماتے ہیں کہ ملا نے علامہ دوانی کی شرح العقائد پر بڑی دقتِ نظر کے ساتھ حاشیہ لکھا تھا یہ کتاب بھی ظالموں کے ہاتھوں اسی رات کو تلف ہو گئی جس شب کو ملا قتل ہوئے۔

ملا قطب الدین شمس آبادی متوفی سنہ ۱۱۲۱ھ

آپ کی اصل سادات "اینٹی" سے ہے، ملا صاحب وطنِ مالوف سے شمس آباد چلے آئے اور یہیں توطن اختیار کیا شمس آباد قنوج کے علاقہ میں ہے۔

پہلے اپنے عہد کے اساتذہ و علماء سے درس حاصل کیا، پھر ملا قطب الدین سہالوی کے حلقۂ تلمذ میں داخل

ہوگئے۔ اور آپ ہی سے تکمیل علم و فراغت تحصیل کی، آخری عمر میں شمس آباد کے اندر درس دیئے، بہت سے لوگوں نے آپ سے استفاضہ کیا آپ بہت بڑے قانع اور صابر تھے، کئی کئی دن آپ کے یہاں چولھے میں آگ نہیں روشن ہوتی، آپ پر فاقے گزر جاتے مگر زبان تک نہ ہلاتے اور اسی حالت میں خندہ پیشانی اور تیزی کے ساتھ پڑھاتے رہتے، یہ استقامت و قوتِ رزقِ ربانی عطیہ تھی، ستر برس کی عمر میں آپ نے انتقال فرمایا۔

قاضی محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ

آپ موضع کرا کے رہنے والے تھے جو علاقہ بہار میں محب علی پور کے پاس واقع ہے قاضی صاحب کے خاندان والے "ملک" کے لقب سے ملقب ہیں، مختلف جگہ اکتساباتِ علمیہ کے بعد ملا قطب الدین شمس آبادی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور علمی منازل طے کئے۔ فراغت و تکمیل کے بعد دکن گئے۔ سلطان عالمگیر نے لکھنؤ کا قاضی مقرر کیا، کچھ روز کے بعد آپ اس سے معزول ہوگئے پھر دکن کا رخ کیا اور حیدر آباد کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس کے بعد کسی وجہ سے بادشاہ کا عتاب ہوا اور منصبِ قضا سے برطرف کردیئے گئے۔ کچھ روز کے بعد لوگوں کی سفارش سے قصور معاف ہوا، اور بادشاہ نے اپنے پوتے سلطان رفیع القدر کا اتالیق مقرر کیا۔ جب عالمگیر نے اپنے لڑکے محمد معظم کو کابل کی حکومت عطا کی تو قاضی محب اللہ بھی تعلیمی خدمت کے سلسلہ میں کابل گئے اور یہاں رہنے لگے کچھ ہی عرصہ کے بعد سلطان عالمگیر نے رحلت کی اور سلطان محمد معظم کابل سے ہندوستان آئے اور قاضی صاحب کو منصب جلیل اور سارے ہندوستان کی صدارت، اور ۱۱۱۹ھ میں "فاضل خاں" کا لقب عطا کیا اور اسی سال قاضی صاحب نے رحلت کی، قاضی صاحب نے منطق میں . . . "سلم العلوم" اصولِ فقہ میں "مسلم الثبوت" اور فلسفہ میں "الاسم والجواہر الفرد" لکھی اور یہ تینوں کتابیں مقبول انام اور مدارس علما میں متداول ہیں۔

حافظ امان اللہ البنارسی متوفی ۱۱۳۳ھ

آپ کے والد کا نام نور اللہ اور دادا کا نام حسین تھا۔ مولانا امان اللہ نے قرآن حفظ کیا اور علمائے عصر سے علم حاصل کیا اور معقولات و منقولات دونوں میں سرآمد روزگار ہوئے آپ نے اصول فقہ پر "مفسر" کے نام سے ایک متن لکھا اور اس کی شرح بھی کی اس کا نام محکم الاصول رکھا تفسیر بیضاوی

عضدی اور تلویح پر آپ نے حواشی لکھے، اسی طرح شرح المواقف، حکمۃ العین اور شرح عقائد للعلامہ الدوانی پر بھی آپ کے حواشی ہیں، مناظرہ میں رشیدیہ تصنیف کی، آپ نے مسئلہ حدوث دہر کے متعلق میر باقر استر آبادی اور ملا محمود جون پوری کے مباحثہ پر محاکمہ بھی کیا ہے، حافظ صاحب عالمگیر کی طرف سے لکھنؤ میں منصب صدارت پر مقرر تھے اور محب اللہ بہاری بھی یہاں قاضی تھے یہ دونوں مل بیٹھتے اور علمی بحثیں کرتے، اپنے وطن بنارس میں انتقال کیا اور یہیں دفن ہوئے۔

مولانا شیخ غلام نقشبند لکھنوی متوفی سنہ ۱۱۲۶ھ آپ کے والد کا نام عطاء اللہ تھا غلام نقشبند نے میر محمد شفیع دہلوی سے تلمذ حاصل کیا۔ میر صاحب مولانا غلام نقشبند کے والد (عطاء اللہ) کے شاگردوں میں تھے آپ نے فراغت تحصیل اپنے استاذ الاستاذ میر محمد لکھنوی سے کی، جب شیخ میر محمد نے لکھنؤ میں انتقال کیا تو لوگ جمع ہوئے کہ میر محمد شفیع کو ان کی جگہ سجادہ نشین بنائیں، میر صاحب موصوف اس وقت دہلی میں تھے آپ لکھنؤ تشریف لائے ایک دن مقرر کر کے لوگوں کو دعوت دی اور سجادہ بچھایا اور عین مجمع عام میں شیخ غلام نقشبند کا ہاتھ پکڑ کر سجادہ پر بٹھایا خود تعظیم کی اور لوگوں نے بھی تعظیم کی اس سے آپ کی رفعت قدر معلوم ہوتی ہے سلطان شاہ عالم نے آپ سے ملنے کی آرزو کی اور بڑی دلجوئی سے شرف نیاز حاصل کیا۔

آپ شریعت کے بڑے پابند تھے، لکھنؤ میں مسند درس و ارشاد بچھائی اور لوگوں کو تعلیم و تلقین کرنی شروع کی، بہت سے علمائے عصر کا سلسلہ آپ تک منتہی ہوتا ہے آپ کے تدین و تشرع کے سلسلہ میں مولانا آزاد نے ایک بہت ہی لطف انگیز روایت درج کی ہے۔ ایک دن ایک درویش آیا اس سے خلاف شرع کوئی بات دیکھی، خفا ہوئے اور فرمانے لگے اس جماعت کو نہ تو خدا کا دیدار نصیب ہوگا نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت۔ درویش بولا کہ اے شیخ! یہ صحیح نہیں، خدا کا دیدار اور پیغمبرؐ کی شفاعت تو ہمیں کو نصیب ہوگی، بلکہ آپ اس سے محروم رہ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کس دلیل سے کہتے ہو۔ درویش نے کہا کہ حضرت! آپ لوگ دیندار، عابد اور صالح جماعت سے متعلق ہیں آپ لوگ سیدھے جنت میں چلے جائیں گے نہ خدا کے یہاں پیشی ہوگی

نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کیلئے آئیں گے اسلئے دیدار اور شفاعت دونوں سے محروم رہ جائیں گے۔ ہم لوگ گنہگار خطاکار ہیں، ہم لوگ خدا کے سامنے پیش بھی ہونگے اور پیغمبر ہماری شفاعت کیلئے بھی آئیں گے شیخ کو رقت آگئی اور چپ ہوگئے۔

آپ لکھنؤ میں دفن ہوئے، آپ نے چوتھائی قرآن کی تفسیر لکھی اور اس پر حاشیہ چڑھایا اور بعض دوسری قرآنی سورتوں کی بھی تفسیر کی۔ فرقان الانوار اور الامۃ العرشیہ (مسئلہ وحدت الوجود میں) اور شرح قصیدۂ خزرجیہ (عروض میں) تصنیف کی آزاد کے نانا مولانا سید عبدالجلیل بلگرامی آپ کے شاگرد تھے۔

ملا جیون متوفی ۱۱۳۰ھ | آپ کا نام احمد ہے اصلاً شیخ صدیقی اور امیٹھی کے رہنے والے ہیں، قرآن حفظ کیا اور پورب کے قصبات میں سفر کیا اور یہاں کے علماء سے علوم حاصل کئے اور ملا لطف اللہ الکوروی سے فراغت تحصیل کی۔ سلطان عالمگیر کے دربار میں پہنچے۔ سلطان نے بڑی تعظیم و توقیر کی اور شاگردی اختیار کی، شاہ عالم وغیرہ عالمگیر کی اولاد بھی باپ کے نقش قدم پر آپ کی بڑی عزت کرتی تھی ملا جیون کا حافظہ بڑا زبردست تھا، درسی کتابوں کے صفحات کے صفحات اور ورق کے ورق بلا کتاب دیکھے پڑھ دیتے اور لمبا لمبا قصیدہ ایک مرتبہ سن کر یاد کر لیتے، حرمین شریفین کی زیارت کی اور ساری زندگی درس و تالیف میں گذار دی، دہلی میں انتقال کیا لاش امیٹھی لائی گئی اور یہیں دفن ہوئے آپ نے تفسیر احمدی کے نام سے قرآن کی تفسیر لکھی اور جن آیات سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان کی تفسیر کی۔ اصول فقہ میں نور الانوار شرح المنار تالیف کی

مولانا سید عبدالجلیل بلگرامی | متوفی ۱۱۳۸ھ ان کا ایک الگ تذکرہ برہان دسمبر ۴۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

سید علی بن سید احمد بن سید معصوم الدشتکی والشیرازی متوفی ۱۱۱۷ھ | آپ کا تعلق بیت العلم شیراز کے ایک علمی گھرانے سے تھا، شیراز کا مدرسہ منصوریہ آپ کے دادا میر غیاث الدین منصور کی طرف منسوب ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ عباس صفوی کی بہن نے زیارت حرمین کا ارادہ کیا تو شاہ نے میر معصوم کو بیگم کے ساتھ جانے کا حکم دیا کہ مناسک حج کی تعلیم دیں، راستہ میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا پردے کے اندر سے یہ بات کماحقہ انجام نہیں

پا سکتی تھی، بیگم نے سوچا کہ میر صاحب ہم کفو ہیں ہی شادی کر لی جائے چنانچہ یہ تقریب انجام پا گئی لیکن شاہ عباس کے خوف سے مکہ ہی میں سکونت اختیار کر لی، بیگم کے بطن سے سید احمد پیدا ہوئے آپ نے مکہ میں نشو و نما پائی اور تعلیم حاصل کی اور معاصرین پر فوقیت لے گئے، بخت مساعد ہوا تو ترقی کا سامان بھی فراہم ہو گیا۔ ہوا یہ کہ میر محمد سعید مخاطب بہ میر جملہ، وزیر سلطان قطب شاہ (والی حیدر آباد) نے سید احمد اور سید سلطان ساداتِ نجف کے پاس بہت سا مال و زر بھیجا اور ان کو حیدر آباد میں بلایا ان کی لڑکیاں تھیں چاہتا تھا کہ دونوں سیدوں سے ان کی شادی کر دے۔ اسی طرح سلطان قطب شاہ کی بھی دو لڑکیاں تھیں اس نے کہا کہ مجھے زیادہ حق ہے کہ میں اپنی لڑکیوں کی شادی ان سیدوں سے کر دوں میر جملہ بہت غضبناک ہوا۔ اور سلطان عالمگیر کے پاس چلا گیا، قطب شاہ نے اپنی ایک لڑکی کی شادی سید احمد سے کر دی اور دوسری لڑکی کا سامان کرنے لگا لیکن سید احمد کو سید سلطان سے دل میں غبار تھا وہ اور ان کی بیوی نہیں چاہتی تھی کہ سید سلطان کی شادی قطب شاہ کی لڑکی سے ہو، جب نکاح کی رات آئی تو سید احمد نے قطب شاہ کے پاس آدمی بھیجا کہ اگر سید سلطان کی شادی ہوئی تو میں آپ کا مخالف ہو جاؤں گا اور بربادی سلطنت کی کوشش کروں گا۔ سلطان عالمگیر کی خدمت میں چلا جاؤنگا۔ بادشاہ حیرت زدہ رہ گیا ارکانِ دولت کو جمع کیا اور ان سے رائے لی، طے پایا کہ سید سلطان سے شادی نہ کی جائے کیونکہ اگر سید احمد عالمگیر سے مل جائینگے تو فتنۂ عظیم برپا ہوگا، چونکہ شادی کا سامان فراہم ہو چکا تھا تاخیر کرنے کا موقع نہ تھا اسلئے ابوالحسن کا انتخاب ہو گیا اس کو سلطان قطب شاہ سے دور کی رشتہ داری تھی، اس وقت ابوالحسن تارک الدنیا فقیروں کے ایک تکیہ میں بیٹھا ہوا تھا اس کو بلایا اور حمام میں بھیجا خلعت پہنایا گیا پھر نکاح ہو گیا، اس وقت سید سلطان حمام میں تھا قسمت کے پھیرے کی نہ اس کو خبر تھی نہ اس کے پاس والوں کو، سن گن ملی تو آدمی کو خبر لانے کیلئے بھیجا، واقعہ کا پتہ لگا تو سید سلطان نے شادی کے سارے اسباب کو آگ لگا دی، گھوڑا کسا گیا اور عالمگیر کے یہاں چلا گیا، سید احمد کے یہاں قطب شاہ کی لڑکی سے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا، سید احمد مکہ سے دکن آئے تو ایک شادی کر چکے تھے۔ آپ کے صاحبزادہ علی مدینہ منورہ

میں پیدا ہوئے، سید احمد نے ان کو وہیں چھوڑا، آزاد ۱۱۶۵ھ میں حیدرآباد آئے تو سید احمد کے پوتے "جمال صاحب" سے سید علی بن سید احمد کے حالات دریافت کئے، انھوں نے ایک سفینہ نکالا، اس میں مرقوم تھا کہ سید علی ۱۰۵۲ھ میں مدینہ کے اندر پیدا ہوئے ۱۰۶۶ھ میں مکہ سے نکلے اور حیدرآباد کے قلعہ گولکنڈہ میں ۱۰۶۸ھ میں وارد ہوئے اور ۱۰۹۲ھ میں حیدرآباد سے چلے گئے۔ سلطان قطب شاہ کا انتقال ہوگیا اور سید احمد بھی دنیا سے گزر گئے تو ابوالحسن کو حکومت ملی۔ وہ سید احمد کی اولاد کی تخریب و بربادی کے درپے ہوا ان کے دروازوں پر پہرہ دار بٹھا دیئے اور آمدورفت کا سلسلہ بند کر دیا، سید علی راتوں رات نکل بھاگے، ابوالحسن نے ان کو پکڑنے کیلئے آدمی بھیجے لوگوں نے دوادوش کی لیکن کوئی نہ پاسکا۔

سید علی سلطان عالمگیر کی خدمت میں بمقام برہان پور پہنچے، سلطان نے سید کو منصب ہزار دیا، نقدی اور تین سو سوار عطا کئے اس میں ہر سوار کے پاس دو گھوڑے تھے، عالمگیر نے آپ کو "سید علی خاں" کا لقب بھی دیا۔ آپ اورنگ آباد تک عالمگیر کے ہمرکاب رہے، جب سلطان نے احمد نگر کا رخ کیا تو سید علی خاں کو اورنگ آباد کا نگراں مقرر کیا۔ سب صاحب بہت دنوں تک یہاں خدمت نگرانی پر مامور رہے پھر اس کے بعد آپ کو ماہور کی حکومت ملی، یہ برار میں مشہور قلعہ ہے پھر آپ نے اس سے استعفیٰ داخل کیا اور دیوانی برہان پور کی درخواست کی، درخواست قبول ہوئی اور آپ کو دیوانی مل گئی۔ برہان پور میں ایک عرصہ تک قیام کرنے کے بعد سلطان سے حرمین شریفین کی رخصت لی اور بال بچوں کے ساتھ زیارت سے مشرف ہو کر ائمہ معصومین کی زیارت کے لئے بغداد، سرمن رائے، کربلا اور نجف اشرف اور طوس پہنچے اس کے بعد اصفہان کا رخ کیا، اور شاہ حسین صفوی سے ملے، شاہ نے باندازۂ توقع التفات سے کام نہ لیا آپ اپنے آبائی وطن شیراز چلے آئے، اور بقیہ عمر مدرسہ منصوریہ میں بہ سلسلہ تعلیم و تدریس گزار دی۔ آپ کی تصنیفات میں مفصلہ ذیل کتب ہیں۔

انوار الربیع فی انواع البدیع، سلافۃ العصر، و شرح الصحیفہ الکاملہ۔

سید محمد بن سید عبدالجلیل واسطی متوفی ۱۱۸۵ھ — آپ علامہ عبدالجلیل بلگرامی کے صاحبزادے اور علامہ آزاد کے ماموں ہیں ۱۱۰۱ھ میں بمقام بلگرام پیدا ہوئے اور یہیں نشو ونما پائی۔ مولانا سید طفیل احمد اترولوی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور فنون عربیہ اور فروع ادبیہ اپنے والد ماجد سے سیکھی، آپ کے والد جب بکری شاہجہاں آباد گئے تو بلگرام سے آپ کو بلایا۔ پھر کسی مصلحت سے منع کر دیا، لائق بیٹے نے قرآن (سورۂ یوسف) کی یہ آیت لکھ بھیجی لَنْ أَبْرَحَ الأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي۔ باپ نے فارسی میں دو بیت لکھ بھیجے اور اپنے پاس بلا یا۔ سلطان فرخ سیر نے آپ کو بکر اور سیوستان کی بخشی گیری اور وقائع نگاری کا منصب عطا کیا آپ وہاں گئے اور اپنی خدمات سے رعایا کو خوش رکھا، ۱۱۴۳ھ میں آزاد کو مولانا محمد نے سیوستان بلا بھیجا اور ان کو اپنا قائم مقام کر کے بلگرام آئے پھر ۱۱۴۵ھ میں سیوستان واپس آئے اور آزاد اس کے دو سال بعد بلگرام آئے اور پھر حرمین شریفین کا رُخ کیا۔ جب نادر شاہ بلاد سندھ میں پہنچا اور حالات نے پلٹا کھایا تو سید محمد نے فتنہ و فساد سے بچنے کیلئے وطن کا رخ کیا اور جس وقت آزاد سبحۃ المرجان تصنیف کر رہے تھے یہ اس وقت زندہ تھے۔ لیکن جب کتاب ختم ہو چکی تو انھوں نے ۱۱۸۵ھ میں بمقام بلگرام انتقال کیا اور اپنے باغ واقع "محمود نگر" میں دفن ہوئے۔ آپ نے شیخ زین الدین محمد بن احمد الخطیب الابجیشی کی کتاب المستطرف کا خلاصہ و انتخاب کیا اور اس پر ایک مقدمہ لکھا، آزاد نے آپ کے عربی اشعار نقل کئے ہیں۔

مولنا سید سعد اللہ سلونی متوفی ۱۱۳۸ھ — آپ صوبہ الہ آباد کے قصبہ سلون میں پیدا ہوئے، یہیں نشو ونما پائی آپ مشہور بزرگ شیخ پیر محمد سلونی (متوفی ۱۰۹۹ھ) کے پوتے ہیں، مولانا سعد اللہ نے بہت ہی قلیل عرصہ میں علوم حاصل کر لئے اور درس و تالیف کی طرف مشغول ہو گئے اور سلسلہ شطاریہ میں جو سید محمد غوث صاحب جواہر الخمسہ کی طرف منسوب ہے اپنے والد سے خرقہ پہنا، حرمین شریفین کی زیارت کی اور وہیں رہنے لگے یہاں کے لوگوں کو آپ سے بڑی ارادت ہو گئی بہت سے لوگ دائرہ تلمذ و ارشاد میں داخل ہو کر رہرو طریقت ہوئے۔ شیخ عبداللہ المصری المکی صاحب ضیاء الساری شرح صحیح البخاری نے سلسلہ قادریہ میں آپ سے بیعت کی۔ سید صاحب جب حرمین سے

واپس آئے تو بندر مبارک سرہ میں توطن اختیار کیا یہیں شادی کی اور یہیں زندگی ختم کی۔

مولانا سید طفیل محمد الاترولی متوفی ۱۱۵۱ھ

آپ ۱۰۷۳ھ میں علاقہ اکبر آباد کے قصبہ اترولی میں پیدا ہوئے، اور اپنے چچا سید احسن اللہ کے ساتھ سات سال کی عمر میں کسبِ علوم کیلئے اترولی سے شاہ جہاں آباد آئے، اور میزان الصرف کا پہلا سبق مشہور بزرگ اور صوفی حضرت سید حسن رسول نما دہلوی ؒ سے پڑھا اور اپنے چچا سے شروع سے لیکر شرح ملا جامی تک پڑھا۔ پندرہ سال کی عمر میں تحصیل علم کی غرض سے اترولی سے بلگرام آئے اور چھوٹی چھوٹی درسی کتابیں سید مربی بلگرامی (متوفی ۱۱۱۷ھ اور سید سعد اللہ بلگرامی (متوفی ۱۱۱۹ھ) سے پڑھیں آخر الذکر مراد آباد کے قاضی ملا عبد الرحیم کے شاگرد تھے اور قاضی صاحب کو ملا عبد الحکیم سیالکوٹی سے تلمذ تھا مولانا سید طفیل نے درسیات کی متوسط کتابیں مولانا قاضی علیم اللہ الکجندوی (متوفی ۱۱۱۵ھ) سے اور درس کی آخری کتابیں مولانا سید قطب الدین شمس آبادی سے پڑھیں فراغت تحصیل کے بعد بلگرام میں رہ گئے اور تقریباً ۰ سال تک احیاء علوم میں مشغول رہے۔

جمال الدین اکرم قفطی (صاحب تاریخ الحکماء) اور شیخ علی حزیں کی طرح ساری زندگی نہ شادی کی اور نہ کوئی گھر بنایا، ایک مرتبہ آپ کے والد سید شکر اللہ نے شادی کیلئے کہا، آپ نے انکار کیا، والد نے زیادہ زور دیا تو کہنے لگے، ابا جان! شادی کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا۔ والد نے کہا کہ جسم جب فنا پذیر ہو جاتا ہے تو نام باقی رہ جاتا ہے، آپ نے کہا یہ توقع تو اولاد سے پوری نہیں ہوتی، باپ نے کہا یہ کیسے؟ کہنے لگے فرمایئے آپ کے والد کا کیا نام تھا سید شکر اللہ نے بتایا اس کے بعد دادا اور پردادا کے نام دریافت کیا انھوں نے بتا دیا، اسی طرح کچھ دیر تک بتاتے رہے آخر میں خاموش ہو گئے اور آدم تک سلسلہ نہ ملا سکے۔ سید طفیل احمد نے کہا کہ دیکھیے اجداد میں سے جن بزرگوں کے نام آپ نہ بتا سکے اولاد کے ذریعہ ان کا بقائے نام کہاں رہا۔ ان لوگوں نے بھی تو اسی لئے شادی کی تھی کہ بقائے نسل کے ذریعہ ان کا نام باقی رہ جائیگا دیکھیے آپ ان کی اولاد سے ہیں اور نام تک سے واقف نہیں حالات کی اطلاع نہیں رکھتے اسی طرح

یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ جب کچھ پشتیں گزر جائینگی تو آپ ہی کی اولاد آپ کو فراموش کر جائیگی اور آپ کا نشان مٹ جائیگا۔ باپ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور فرمانے لگے میرے بچے! میں تم پر بار دینا نہیں چاہتا۔

سید شکر اللہ نے بچپن ہی میں سید طفیل احمد کو سید سعد اللہ بلگرامی کا مرید بنا دیا تھا۔ جوان ہوئے تو سید سعد اللہ سے بیعت قائم رکھی، کیونکہ سنِ تمیز کے بعد بچپن کی بیعت اگر کوئی باقی نہ رکھنا چاہے تو باقی نہ رکھے، لیکن سید سعد اللہ کی بزرگی و بزرگانہ اخلاق نے سید طفیل کو اثر پذیر کر رکھا تھا انھوں نے اسی بیعت کو قائم رکھا، کبھی عربی میں شعر کہا کرتے۔ آزاد نے آپ کے بعض اشعار نقل کئے ہیں۔ آزاد کے نانا (علامہ سید عبد الجلیل بلگرامی) اور سید طفیل احمد دونوں طلبِ علم کے سلسلہ میں ساتھ اکبر آباد گئے تھے، اور نواب فضائل خاں نے جو عالمگیر کے امرائے عظام میں سے تھا بڑی عزت کے ساتھ آپ کی پذیرائی کی۔ نواب کی صحبت میں علما و فضلا آیا کرتے، بڑی بڑی بحثیں ہوا کرتیں سید طفیل احمد بھی حصہ لیتے، آزاد نے آپ کے ایک مفسرانہ نکتہ کا تذکرہ کیا ہے۔

مولانا نورالدین احمد آبادی متوفی ۱۱۵۵ھ

آپ کے والد کا نام شیخ محمد صالح اور وطن احمد آباد تھا۔ ملا احمد سلیمانی احمد آبادی اور ملا فرید الدین احمد آبادی سے تلمذ حاصل کیا، تمام علوم و فنون میں کمال پیدا کیا۔ ۱۱۲۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کی اور ایک سال کے بعد احمد آباد واپس آئے۔ اور حضرت محبوب عالم ملقب بہ شاہ عالم ثانی احمد آبادی نے خرقہ پہنایا، آپ نے احمد آباد میں ایک رفیع الشان مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور تحصیل علم کے زمانہ سے آخر عمر تک پڑھانے اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ رکھا، آپ کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے۔ آزاد نے مفصلہ ذیل تصانیف کے نام گنائے ہیں۔

تفسیر مختصر (کلام پاک کی تفسیر) تفسیر النورانی للسبع المثانی، تفسیر الربانی (سورہ بقرہ کی تفسیر) اوائل تفسیر بیضاوی پر حاشیہ، نور القاری شرح صحیح البخاری، الحاشیۃ القویمۃ علی الحاشیۃ القدیمۃ، حاشیہ شرح المواقف، حل العاقد لحاشیہ شرح المقاصد، حاشیہ شرح المطالع، حاشیہ التلویح، حاشیہ العضدی

المعول حاشیہ المطول، حاشیہ شرح الوقایہ، حاشیہ شرح ملا جامی، حاشیہ المنہل، حاشیہ الشمسیہ فی المنطق، وشرح تہذیب المنطق (یہ آپ کی مشکل ترین تصنیف ہے) الامم شرح فصوص الحکم لابن العربی۔

ملا نظام الدین بن ملا قطب الدین الشہید السہالوی متوفی ۱۱۶۱ھ اپنے زمانہ کے علماء سے علوم حاصل کئے شیخ غلام نقشبند لکھنوی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور آپ سے فراغتِ تحصیل کی، لکھنؤ میں قیام کیا اور تدریس و تالیف میں مشغول ہوگئے آپ پورب کی مسند علم کے صدر نشین تھے۔ آپ نے شیخ عبدالرزاق البانسوی (متوفی ۱۱۳۶ھ) سے خرقہ پہنا اور سید اسمٰعیل بلگرامی (متوفی ۱۱۶۴ھ) سے فیوض کثیرہ حاصل کئے۔ آزاد جب ۱۱۵۰ھ میں لکھنؤ پہنچے تو ملا نظام الدین سے ملے۔ آزاد کا بیان ہے کہ ملا نظام الدین کی پیشانی سے نور تقدس ظاہر ہوتا تھا، آپ کی تصنیفات میں صدرالدین شیرازی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ پر حاشیہ اور اصول فقہ میں محب اللہ بہاری کی مسلم الثبوت کی شرح ہے۔

شیخ محمد حیات السندی المدنی متوفی ۱۱۶۳ھ بہت بڑے محدث اور علمائے ربانی میں سے تھے، عالم باعمل گزرے ہیں، آزاد کہتے ہیں ایک دن میں نے آپ سے آپ کی اصل ونسب کے متعلق دریافت کیا تو ایک پرزہ پر لکھ کر دیا کہ میرے والد ملا فلاریہ قبیلہ چاچڑ سے تعلق رکھتے تھے، آپ کی سکونت عادل پور میں تھی جو بکر کے علاقہ میں ہے، شیخ محمد حیات سندھ میں پیدا ہوئے اور عنفوان شباب میں حج کیلئے نکلے اور مدینہ میں سکونت اختیار کرلی یہاں توکل پر زندگی گزارنے لگے تحصیلِ علوم میں مشغول رہے، شیخ ابوالحسن سندی سے تلمذ حاصل کیا جو مدینہ میں جاکر رہ گئے تھے۔ حدیث میں ید طولی حاصل کیا اور خاتم المحدثین شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے اجازت حاصل کی، مدینہ میں درس حدیث دیا کرتے اور مسجد معلی میں نمازِ صبح سے قبل وعظ کہا کرتے عرب اور عجم کے بہت سے لوگ اس مجلس میں جمع ہوتے، حرمین، مصر، شام، روم اور ہندوستان کے لوگ آپ کے معتقد تھے آپ سے فیوض و برکات طلب کرتے، مدینہ منورہ میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن ہوئے۔

شیخ عبداللہ بن شیخ عالم البصری المکی
متوفی سنہ ۱۱۳۴ھ

آپ نے ضیاء الدین شیخ محمد البابلی، شیخ عیسیٰ مغربی اور قاضی تاج الدین مالکی جیسے اکابر علماء سے استفادہ کیا کعبہ میں علوم دینیہ کا درس دیتے، آپ پر یہاں کی علمی ریاست ختم ہو جاتی ہے، جوف کعبہ میں دو مرتبہ صحیح بخاری کا درس دیا۔ شیخ عبداللہ سنہ ۴۹ میں پیدا ہوئے آپ نے ضیاء الساری کے نام سے بخاری کی شرح لکھی، آزاد نے اس کی بڑی تعریف کی ہے اور تمام شروح بخاری پر اس کو ترجیح دیتے ہیں گو یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی۔ شیخ عبداللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ضیاء الساری کا ایک نسخہ آزاد نے ارکاٹ میں شیخ محمد اسعد حنفی مکی کے پاس دیکھا جو شیخ تاج مالکی کے تلامذہ میں سے تھے، شیخ محمد اسعد نے یہ نسخہ مصنف کے والد سے خرید لیا تھا، آزاد نے شیخ اسعد سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ یہ نسخہ حرمین میں رہے، یہ اچھا نہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہے خاص کر ایسی جگہ جہاں فتنہ و ہنگامہ کا خدشہ ہو، شیخ نے جواب دیا کہ بات تو سچ ہے لیکن میں نے محض بربنائے محبت اس نسخہ کو اپنے سے جدا نہیں کیا، اس کے بعد شیخ نے ارکاٹ میں فتنہ برپا ہوتے دیکھا تو احتیاط کے خیال سے اپنی کتابیں اورنگ آباد بھجوا دیں ضیاء الساری کا نسخہ بھی آزاد کے زمانہ تک اورنگ آباد میں تھا۔ شیخ اسعد سے آزاد کی ملاقات پہلے طائف میں ہوئی۔ اس کے بعد شیخ موصوف ہندوستان چلے آئے اور نواب ناصر جنگ شہید کی رفاقت میں ایک زمانہ بسر کیا، نواب صاحب شیخ کی بڑی عزت کرتے اور آپ کی خدمتیں بجا لاتے، نواب جب شہید ہو گئے اور ان کے بھانجے جانشین ہوئے تو شیخ ان کے ساتھ رہنے لگے، یہاں تک کہ مظفر جنگ اور ان افغانوں کے درمیان جنھوں نے نواب ناصر جنگ کو قتل کیا تھا نفاق پیدا ہو گیا۔ نواب کی شہادت سے ساٹھ دن کے بعد مظفر جنگ سے بھی جنگ ہوئی اس میں وہ مارے گئے اور شیخ نے بھی (سنہ ۱۱۶۴ھ) میں جام شہادت نوش کیا۔

سید محمد یوسف بن سید محمد اشرف حسینی واسطی
متوفی سنہ ۱۱۷۲ھ

یہ آزاد کے خالہ زاد بھائی اور علامہ عبدالجلیل بلگرامی کے نواسہ ہیں معقولات و منقولات میں دستگاہ حاصل کیا۔ سنہ ۱۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے

آزاد اور سید محمد یوسف دونوں ہم مکتب بھی تھے، شروع سے آخر تک دونوں نے سید طفیل محمد الاترولی سے درسی کتابیں پڑھیں، عروض وقوافی اور ادب کا کچھ حصہ اپنے ماموں سید محمد سے حاصل کیا اور لغت اور سیرت نبوی اپنے نانا میر عبدالجلیل بلگرامی سے پڑھی، آزاد نے جب حرمین کا رخ کیا تو سید محمد یوسف نے ہیئت اور ہندسہ حساب اور بعض فنون ریاضی کی تعلیم شاہ جہاں آباد کے ماہرین فن سے حاصل کی اور سید لطف اللہ حسینی واسطی بلگرامی قدس سرہ سے طریقہ قادریہ میں بیعت کی۔ آزاد کو سید محمد یوسف سے بڑی محبت تھی، دونوں ہم شیر اور رضاعی بھائی بھی تھے آزاد جب دکن چلے گئے تو سید محمد یوسف وطن ہی میں تھے، آزاد کو فراق کا صدمہ رہا، یہاں تک کہ آخر الذکر نے بلگرام ہی میں انتقال کیا، اور "بستان محمود" میں دفن ہوئے۔

مولانا سید قمر الدین اورنگ آبادی
متوفی ۱۱۹۳ھ

آپ کی اصل سادات خجند سے ہے آپ کے اجداد میں سے ظہیر الدین خجند سے ہجرت کر کے ہندوستان آگئے اور یہیں لاہور کے علاقہ میں بمقام امن آباد توطن اختیار کرلیا، پھر آپ کے پوتے سید محمد وطن سے نکلے اور دکن میں چلے گئے، سید عنایت اللہ بن سید محمد بزرگ اور صوفی گزرے ہیں آپ نے مولانا شیخ ابوالمظفر برہان پوری سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی، سید عنایت اللہ نے بالاپور میں توطن اختیار کیا جو برہان پور سے چار منزل پر واقع ہے۔ اصلاح وارشاد میں لگ گئے ۱۱۱۷ھ میں انتقال کیا اور بالاپور میں دفن ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے سید منیب اللہ ایک گوشہ نشین اور اللہ والے بزرگ تھے، آپ نے ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی آپ کے صاحبزادہ سید قمر الدین ۱۱۲۳ھ میں پیدا ہوئے، ہوش سنبھالا تو طلب علم کے لئے سفر کیا، اور عقلیات و نقلیات دونوں میں سرآمد روزگار ہوئے۔ قرآن حفظ کیا اور طریقہ نقشبندیہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت کی۔ اور ۱۱۵۵ھ میں اورنگ آباد سے شاہ جہاں آباد کا رخ کیا، شاہجہاں آباد سے سرہند گئے اور یہاں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے بزرگوں کے مقبروں کی زیارت کی، سرہند سے لاہور آئے۔ اور یہاں کے کاملوں سے ملے، پھر شاہ جہاں آباد آئے اور یہاں سے اپنے وطن (دکن) کا رخ کیا اور بالاپور میں اپنے والد سے مل کر اورنگ آباد گئے، آزاد جب یہاں پہنچے تو دونوں علماء فضلاء میں بڑی دوستی ہوگئی

مولنا کو پھر زیارتِ حرمین کا ولولہ ہوا، آپ نے حج کے بعد وطن کا رخ کیا راستہ میں جہاز بہک گیا، آخر مہینوں کی پریشانی کے بعد وطن آئے اور اورنگ آباد میں انتقال کیا، آپ کے صاحبزادہ میر نور الہدیٰ بھی حافظِ قرآن اور بلند پایہ عالم گذرے ہیں۔

مولانا آزاد کی کتاب سبحۃ المرجان غالباً دوسری کتاب ہے جو ہندوستان میں اسلامی علوم اور عربی ادب کی ترقی و ترویج کے حالات سے بحث کرتی ہے اس سے قبل اس موضوع پر ایک کتاب عین العلم لکھی گئی، ملا علی قاری نے عین العلم کی شرح میں لکھا ہے کہ

مصنفہ ھو من فضلاء الھند وصلحائہ	اس کے مصنف ہندوستان کے فضلا اور صلحا
علی ما صرح بہ الشیخ ابن حجر العسقلانی فی	میں سے ہیں جیسا کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے
مقدمتہ [1]	شرح مقدمہ میں تصریح کی ہے۔

آزاد پہلے ہندوستانی عالم ہیں جنھوں نے ہمیں اس کتاب سے روشناس کرایا۔ سبحۃ المرجان کا سنہ تالیف ۱۱۷۷ھ، بایں ہمہ اس میں عربی زبان کے ان بیشمار ہندوستانی علمار کا تذکرہ نظر انداز کر دیا گیا ہے جو یہاں کی خاک سے اٹھے یا یہاں آئے ان میں بہتیرے یہیں پیوند خاک ہوگئے۔

محمد بن عبد الرحیم الہندی الارموی (متوفی ۷۱۵ھ) آپ کا تذکرہ تاج الدین السبکی نے کیا ہے، ہندوستان کے جوہر تابندہ تھے، یمن و شام میں علوم اسلام اور زبانِ عربی کا علم بلند کیا، بڑے بڑے معرکے دیکھے۔ امام ابن تیمیہ سے آپ کا مناظرہ مشہور ہے امیر تنکز نے ایک جلسہ کیا بڑے بڑے علما جمع ہوئے۔ ابن تیمیہ بلائے گئے اور "ہندی" سے کہا گیا کہ بحث کرو۔ اثنا رمناظرہ میں امام تیمیہ کو "ہندی" نے کہا

ما اراک یا ابن تیمیہ الا کالعصفور حیث	ابن تیمیہ ابھی تو آپ ایک چڑیا کی طرح نظر آرہے
اردت اقبضہ من مکان یفر الی	ہیں، میں جب چاہتا ہوں کہ ایک جگہ اسی پکڑلوں
مکان اخر	وہ پھر سے اڑکر دوسری جگہ چل دیتی ہے۔

---

[1] عین العلم سے متعلق یہ بیان صحیح نہیں ہے، یہ کتاب علمائے ہند کے تذکرہ میں نہیں ہے، بلکہ احیاء العلوم کی تلخیص ہے اور اس کی شرح ابن حجر عسقلانی نے نہیں بلکہ ابن حجر مکی نے کی ہے (دیکھو کشف الظنون ج ۲ ص ۱۲۰) اس کے علاوہ ابن حجر مکی نے خود اپنی کتاب الخیرات الحسان کے صفحہ ۴ پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر اس کتاب کو ایک ہندی عالم کی تصنیف کہنا بھی مرجوح ہے، صحیح یہ ہے کہ محمد بن عثمان البلخی کی تصنیف ہے۔ (برہان)

آخر کار اسی مناظرہ کے بعد امیر نے امام تیمیہ کو جیل خانہ میں بھیجدیا، بہت بڑے متکلم تھے اور ابوالحسن اشعری کے مذہب میں سب سے بڑے عالم گذرے ہیں۔ قاضی سراج الدین مصنف التحصیل کی صحبت میں رہے اور فخر ابن بخاری سے حدیث سنی، اور خود ہندی سے تاج الدین سبکی کے استاد حافظ ذہبی نے روایت کی علم کلام میں آپ کی کتاب الزبدۃ اور اصول فقہ میں النہایہ ہیں۔ آپ کی ساری تصنیفات جامع ہیں۔ لیکن النہایہ سب سے اچھی ہے۔ سنہ ۶۴۴ھ میں ہندوستان کے اندر پیدا ہوئے، ۲۳ برس کی عمر میں یمن کا سفر کیا پھر حج کیا اور مصر گئے اس کے بعد روم گئے، اور پھر سنہ ۶۸۵ھ میں دمشق آئے اور یہیں توطن اختیار کرلیا۔ اور یہیں سنہ ۷۱۵ھ میں سپرد خاک ہوگئے۔ آپ نے اتابکیہ اور الظاہریہ میں درس دیا۔ مشہور ہے کہ آپ بہت ہی بدخط تھے۔ سبکی نے اس سلسلہ میں ایک خاص واقعہ لکھا ہے [۱]

یوں تو ہندوستان میں عربی زبان کے ان مصنفین و علماء کی آمد کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوا، عرب و عجم سے برابر ان علماء کی آمد رہی لیکن عہد افاغنہ ہی میں فارسی زبان رواج پذیر ہوگئی تھی اور اسلئے باضابطہ عربی زبان کی ترویج کا کوئی سلسلہ اگر تھا تو ان صوفیہ و بزرگان دین کے ذریعہ جو ہندوستان کے دور دست گاؤں اور آبادیوں میں قیام پذیر ہوئے اور مذہب و شعار ملت کی تبلیغ کرتے رہے، سرزمین عرب کے بہت سے خانوادے ہندوستان کے مختلف طول و عرض میں پھیلے، صوفیہ کے تذکرے اور انساب کی کتابیں ان واقعات سے بھری ہیں۔

لیکن انساب اور تذکرہ میں اس عہد کے واقعات بکھرے ہوئے ہیں ابھی تک کوئی ایسی علمی سعی نہیں کی گئی کہ ان کو ایک تاریخی ترتیب سے یکجا کیا جائے البتہ ہندوستان میں فارسی زبان کی ترقی و عروج کی داستان ربط و تسلسل کے ساتھ محفوظ ہے، ہر عہد کے مستند تذکرے موجود ہیں، اور ان ایام کے تمام مقامی و اجنبی علماء کے حالات مجملاً و مفصلاً قلم بند کردئے گئے ہیں، عربی زبان کے ساتھ یہ رعایت نہیں برتی گئی اس کی وجہ

---

[۱] طبقات الشافعیہ الجزء الخامس ص۲۴۱

فارسی کی سیاسی فوقیت تھی، حکومت کی آغوش میں فارسی چھٹی صدی سے بارہویں صدی تک نشو ونما پاتی رہی البتہ اوائل عہد مغلیہ میں ایک نئی زبان (ہندی اور ریختہ اردو) رواج پذیر ہوئی جو ہندوستان کا مشترکہ سرمایہ ہے اور اب فارسی کی جگہ اس نے لے لی باایں ہمہ گیارہویں صدی کے ان عربی مصنفین کے مستند تذکرے موجود ہیں جو ہندوستان میں آئے اور ان میں بہت سے یہیں پیوند خاک ہوگئے۔

ان علما کے حالات کا علم ہونے کے بعد ہم سخت حیرت زدہ ہوجاتے ہیں کہ آخر وہ کون سے اثرات تھے جن کی بنا پر عربی کو اس عہد میں اس قدر فروغ ہوا، یہ وہ زمانہ تھا کہ فارسی زبان ہندوستان میں شباب پر تھی، مغلوں نے اس کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ اواخر دسویں صدی ہی سے فارسی زبان کے شعرا علما کا تانتا بندھا ہوا تھا، ماثر رحیمی (محمد مقیم الہروی) منتخب التواریخ (ملا عبد القادر بدایونی) اور اکبر نامہ (ابو الفضل) کے اوراق ان علما و شعرا کے حالات سے بھرے ہوئے ہیں اسی طرح گیارہویں صدی میں بھی ایرانی شعرا کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ظہوری، نظیری، قمی، صائب، ابو طالب کلیم، طالب آملی، نقی واحدی، اسی گیارہویں صدی کے مشہور ایرانی شعرا ہیں جن میں صائب اور نقی اوحدی کے سوا سب یہیں پیوند خاک ہوگئے، جب فارسی زبان کے عروج کا یہ دور ہو اس وقت ہم کیا توقع کر سکتے تھے کہ عربی ہندوستان میں قدم جما سکیگی لیکن ایسا ہوا۔

اس عہد کے مشہور تذکروں میں جن سے عربی زبان کے ان علما صوفیہ اور ادیبوں کا حال معلوم ہوتا ہے جو ہندوستان میں آئے، مفصلۂ ذیل تذکرے بہت اہمیت رکھتے ہیں

معادن الذہب فی الاعیان الامین تشرفت بہم حلب ابو الوفا ابن عمر بن عبد الوہاب الشافعی الفرضی الحلبی (متوفی ۱۰۷۱ھ)

اس کے متعلق صاحب خلاصۃ الاثر کا بیان ہے کہ رأیت منہ قطعۃ ونقلت منہا بعض تراجم لزمنی ذکرہا۔ میں نے اس کا ایک حصہ دیکھا اور بعض ان لوگوں کے سوانح حیات نقل کرلئے جنکا تذکرہ کرنا مجھے ضروری تھا

یوں تو عہد افاغنہ ہی میں شعرائے فارس ہندوستان میں آئے، قطب شاہی، بہمنی اور عادلشاہی خاندانوں نے بھی فارسی شعرا کو نوازا، دور بہمنیہ میں حافظ اور جامی کو دعوتیں دی گئیں۔ سابق الذکر سفر ہند کے ارادہ سے چلے بھی لیکن ہندوستان نہ آئے۔ جامی نے وطن سے نکلنا پسند نہ کیا۔

صاحب خلاصۃ الاثر نے شیخ خضر بن حسین المار دینی سبط الہندی (شارح کافیہ) کے حالات فرضی کی "المعادن" ہی سے لئے ہیں، بدیعی نے اپنے تذکرہ "ذکری حبیب" میں فرضی کے احوال و مناقب لکھے ہیں۔

خبایا الزوایا فیما فی الرجال من البقایا شہاب الدین الخفاجی المصری (متوفی ۱۰۶۹ھ)

صاحب خلاصۃ الاثر فرماتے ہیں واجتمع بہ والدی المرحوم فی منصرفہ الی مصر واخذ عنہ وکتب عنہ اصل ریحانہ (میرے والد مرحوم ورود مصر کے موقعہ پر آپ سے ملے، استفادہ کیا اور آپ سے ریحانہ کی اصل لکھ لی) ریحانہ خفاجی کا مشہور تذکرہ ہے اس میں اس نے اپنی زندگی و سفر کے حالات لکھے ہیں اور اکابر علماء کے تراجم قلمبند کئے ہیں۔

نفائس الدرر فی اشراف القرن الحادی العشر محمد الجمال الشلی (گیارہویں صدی)

صاحب خلاصۃ الاثر نے مولف کے دادا، احمد ابن الاستاد باپ ابوبکر اور بھائی احمد بن ابی بکر کے حالات لکھے ہیں۔ الشلی یمن کے ایک مشہور علمی گھرانہ کا چشم و چراغ تھا، اس کے گھر میں شعر و ادب اور صوفیانہ حال و قال کا چرچا تھا، اس کے دادا کے متعلق مشہور ہے کہ اسم اعظم جانتے تھے۔ صاحب خلاصۃ الاثر نے ان کے بعض کرامات کا تذکرہ کیا ہے، ان کے والد نے سفر ہندوستان کا تہیہ کیا تھا لیکن ان کے شیخ نے اس نیت سے باز رکھا۔ لیکن الشلی کے بھائی احمد بن ابی بکر اور خود الشلی ہندوستان آئے احمد بن ابی بکر کے متعلق مولی المحبی کی روایت ہے کہ رحل الی الهند واخذ بها عنہ جماعۃ علوم الادب (ہندوستان کا سفر کیا اور یہاں کے لوگوں نے آپ سے علوم ادبیہ کی تحصیل کی) محمد جمال الشلی کے ورود ہند کا حال خود اس کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے، الامیر الجواہر سلطان الہند کے ترجمہ میں لکھتا ہے۔ اجتمعت بہ فی رحلتی الی الهند (میں اپنے سفر ہند کے دوران میں آپ سے ملا۔

النور السافر عن اخبار القرن العاشر محی الدین الشیخ الامام ابوبکر الیمنی الحضرموتی الہندی (متوفی ۱۰۳۸ھ)

یہ بھی یمن کے ایک علمی اور صوفی خاندان کے مشہور فرد ہیں احمد آباد میں پیدا ہوئے اور یہیں وفات کی نور السافر میں انھوں نے دسویں صدی کے اکابر رجال علماء و صوفیہ کے حالات لکھے ہیں۔

خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی العشر   المولی محمد المحبی (متوفی گیارہویں صدی)

اس کتاب کی دو جلدیں ہمارے سامنے ہیں دوسری جلد کے آخری صفحہ سے تیسری جلد کا حال معلوم ہوتا ہے، اندازہ ہے کہ چار جلدوں میں یہ کتاب تمام ہوئی ہے، دیباچہ پڑھنے کے بعد کتاب کا نام اور مصنف کی ماخذ اور اغراض و مقاصد کا حال تو معلوم ہوجاتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کتنی جلدوں میں تمام ہوئی۔

اس کے مصنف کو بچپن ہی سے تاریخ و سیر، شعر و ادب سے دلچسپی تھی اور وہ فنون کے ارباب کمال کے حالات قلمبند کیا کرتا تھا، اس کے والد فضل الدین محب اللہ خود بھی بڑے پایہ کے عالم گزرے ہیں مصنف نے خلاصۃ الاثر میں بعض جگہ ان کے جزوی واقعات درج کئے ہیں خفاجی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ مصنف کے والد نے خبایا الزوایا (جو ریحانہ کی اصل ہے) خفاجی کے اصل نسخہ سے نقل کیا اور خفاجی سے بعض علمی استفادہ بھی کیا۔ مقدمہ میں اس نے اپنے والد کی ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے جو انھوں نے حسن البورینی کی تاریخ پر تتمہ کی حیثیت سے لکھی ہے مصنف نے خلاصۃ الاثر میں اس کتاب سے استفادہ بھی کیا ہے۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ مصنف نے اپنے ماخذ کی حیثیت سے مفصلہ ذیل نوادر کے نام گنائے ہیں۔

ذیل النجم الغری

طبقات الصوفیہ   مناوی

ذکری حبیب   بدیعی

نتزہ العیون والالباب   عبد البر الفیومی

المشرع الروی فی اخبار آل باعلوی

سلافۃ العصر فی شعراء اہل العصر (السید علی ابن معصوم) یہ خفاجی کی "ریحانہ" پر ذیل کی حیثیت سے لکھی گئی۔

ذیل الشقائق   ابن نوعی   ترکی زبان میں دولت عثمانیہ کے علمائے عظام کے حالات پر ہے۔

تاریخ القوصونی   الشیخ مدین القوصونی المصری   قاہرہ کے اکابر علماء کا تذکرہ ہے۔

(باقی آئندہ)